بیسویں صدی کی بنیاد پرست ہندو تحریکیں

*غلام علی خان

Abstract

Conflict and clashes between the Hindu and Muslims in 20th century became to red alarming point. Many extremist Hindus launched the different movements. Riots against the Muslim accord, and became a large number of murders of the Muslims. Socially, economically and politically Hindu pressurized the Muslims. Divide and Rule Policy of British Empire was being effectively going on. This article shows the true Picture of the Hindu Muslim relasion of the subcontinent in 20th Century.

انیسویں صدی عیسوی کے آخری بیس سالوں میں نئی اٹھنے والی تحریکیں جن کے اثرات بیسویں صدی میں ظاہر ہوئے جارحانہ رنگ لیے ہوئے تھیں۔ان تحریکوں نے ماضی سے کٹ کر اصلاح معاشرہ کرنے کی بجائے اپنے ماضی پر فخر کرنے کا درس دیا اور ہندومت کی بہت سی غلط باتوں کو بھی درست قرار دیا۔نئی اٹھنے والی تحریکیں اسلام' عیسائیت اور جدید دور کے زیر اثر بہت حقائق تسلیم کرنے پر مجبور تھیں' لیکن انہوں نے ان حقائق کو اپنے ہی ماضی میں ڈھونڈ نکالا' یا کم از کم تاثر یہی دیا کہ یہ تو ہندومت کے اپنے ہی اصول تھے' تاہم انہوں نے اسلام یا عیسائیت کا ممنون ہونے کی بجائے ان کے خلاف محاذ آرائی کی۔ ہندومت کے دفاع کے لیے ''اسلام اور عیسائیت'' کے خلاف جارحیت کو ضروری سمجھا۔ان تحریکوں میں سے نمایاں ترین آریہ سماج تھی۔مہاراشٹر سے تلک اور اُس کے ہمنوا دوسری تحریک اٹھا رہے تھے۔انڈین نیشنل کانگریس نے ان سب کے لیے پلیٹ فارم مہیا کر دیا' یہاں تک کہ انہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان سخت کشیدگی پیدا کر دی اور خود کانگریس کو ''قومی جماعت'' کی بجائے ''ہندو جماعت'' بناڈالا۔یہاں ان تحریکوں کا مطالعہ کیا جائے گا:

آریہ سماج:

بیسویں صدی کے آغاز میں برہمو سماج کے کھنڈرات پر نئی عمارت تعمیر کرنے والی تحریک آریہ سماج کا بانی دیانند

*اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ علومِ اسلامیہ، جامعہ پنجاب، لاہور

سرسوتی تھا جس نے ۱۸۷۵ء میں بمبئی میں آریہ سماج قائم کیا اور ۱۸۷۷ء میں لاہور کو اس کا مرکز بنایا جو اس کی وفات کے بعد ایک تعلیمی تحریک بن گیا اور جس نے اپنے تعلیمی اداروں کے ذریعے کارکن سازی کر کے پوری ہندو قوم کی سوچ کو بدل ڈالا۔ اس کا اصل نام مولا شنکر تھا جو کاٹھیاواڑ (گجرات) میں ہند کے شمال مغربی ساحل کے قریب ایک قصبے میں پیدا ہوا۔

نسلی طور پر برہمن تھا اور ویدوں کے عالم ہونے کی وجہ سے ان کے خاندان کی بہت عزت تھی۔ والد بہت اعلیٰ عہدے پر فائز تھے جو خاصے تنک مزاج کٹر برہمن اور مذہبی عقائد اور رسوم و رواج کے پابند' آہنی ارادے کے مالک تھے اور والدہ اس کے برعکس شیریں گفتار اچھی ماں اور سلیقہ مند بیوی تھیں۔(۱)

بُت پرستی کے خلاف ردِّعمل:

دیانند سراسوتی نے اپنی خودنوشت سوانح حیات میں لکھا ہے کہ پانچ سال کی عمر میں اُس کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ اور آٹھویں برس میں ان کو جینیو پہنایا گیا۔ اس رسم سے برہمن کے بچے کی زندگی میں نئے دور برہمچاری کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کو وید پڑھنے کا حق حاصل ہونے کے علاوہ ازیں اُس کے کے لیے روزانہ پوجا پاٹ وید منتروں کا ورد' دھودن (غسل) کرنا' گُرو یا روحانی رہبر کی خدمت' خیالات و گفتار اور کردار کی مکمل پاکیزگی اور فقیرانہ و درویشانہ زندگی بسر کرنا ضروری ہوتا ہے۔ سوامی جی کے سوانح نگاروں نے اس بات کی بجا طور پر نشاندہی کی ہے کہ مول شنکر کے مزاج میں بغاوت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اس بات کی تصدیق اس وقت ہوئی جب وہ اپنے باپ کے ساتھ شوراتری میں شامل ہوا۔ اس موقع پر ہر پا کباز شوبھگت پر لازم ہوتا ہے کہ وہ ۴۸ گھنٹے کا برت (روزہ) رکھے چونکہ دیانند کے والد شوبھگت تھے اس لیے انہوں نے اس کو بھی برت رکھنے کا حکم دیا۔

لالہ لاجپت رائے کے بقول ''اس وقت کسی کو یہ گمان بھی نہ ہوسکتا تھا کہ چودہ برس کی کم عمر میں دیانند کو شوراتری کا برت رکھنے پر ان کے والد کا پُر زور اصرار دیانند میں ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کر دے گا کہ وہ بت پرستی کے خلاف اپنے دور کے شدید اور کامیاب ترین مخالف ثابت ہوں گے۔(۲)

اس کی تفصیل یوں بیان کی جاتی ہے:

دیانند نے برت رکھا تو سرِ شام ہی باپ بیٹا گاؤں کے مضافاتی مندر کی طرف چل پڑے' جہاں اس کے والِد نے اس کو پوجا پاٹ کے طریقے سمجھائے۔ برت رکھنے والے کے لیے ضروری تھا کہ وہ شب بیداری کرے اور بھگوان کی مورتی کے سامنے منتروں کا ورد کرے۔ پوجا کے تھوڑی دیر کے بعد مندر میں موجود سارے لوگ آہستہ

آہستہ سو گئے حتٰی کہ دیانند کا والد بھی سو گیا۔

لیکن جواں سال لڑکے نے ہمت نہ ہارنے کا فیصلہ کر لیا' کیونکہ وہ اس ثواب سے محروم نہیں رہنا چاہتا تھا جو برت رکھنے سے ایک بھگت کو حاصل ہوتا ہے۔ آر سی شرما کے مطابق اس جدوجہد نے اُس کی زندگی کے بہتے دھارے کو بدل کر رکھ دیا۔

(۳). ''That minor episode gave severel Jolt to Daya's religious faith''

واقعہ کچھ یوں ہے کہ جب سارے پجاری سو گئے تو یکا یک ایک چوہا نمودار ہوا اور مورتی پر رینگنے لگا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ مورتی بالکل بے ضرر ہے' تو وہ کھانے پینے کی ان چیزوں کو کترنے لگا جو پجاریوں نے مورتی کے سامنے رکھی تھیں' چنانچہ دیانند کے ذہن میں خیالات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ پرماتما تو قادر مطلق ہے' سب طاقتوں کا منبع ہے اور اگر اس مورتی میں واقعی شیوا جی موجود ہیں تو پھر ایسا کیوں ہوا کہ یہ قادر مطلق پرماتما (مورتی) جو کہ انسانوں کو شاد کام کرنے اور نہ کرنے کی طاقت رکھتی ہے' اپنے آپ کو چوہے سے نہ بچا سکی۔ والد اُس کی تشفی نہ کر سکا لہٰذا دیانند مورتی پوجا کا مخالف بن گیا۔

درحقیقت دیانند سرسوتی نے جو بت پرستی سے بیزاری ظاہر کی ہے وہ اس وقت کے سماجی عوامل کا نتیجہ تھی۔ اور اس کے افکار ان آوازوں کی صدائے بازگشت تھے جو اس وقت ہندوستانی معاشرے میں اٹھ رہی تھیں ان میں اسلام کا تصورِ توحید بھی تھا۔ پروٹسٹنٹ چرچ کی سرگرمیاں بھی اور برطانوی حکومت کا دباؤ بھی۔

چنانچہ فرقوھار اس دور کی اصلاحی تحریکوں کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''The two forces are the British Government in India as it learned its task during the years at the close of eighteenth and the begining of the ninteenth centuries and Protestant Missions as they were shaped by the seram poremen and Duffo, and third force is the work of the great orientalists''.(۴)

فرقوھار نے سوامی جی کے چوہیا والے واقعہ پر تبصرہ اس انداز میں کیا ہے کہ ایک چودہ سالہ لڑکے میں صرف ایک واقعہ سے بت پرستی کے خلاف اتنا شدید ردِّ عمل اس وقت ممکن نہیں جب تک کہ اس نے بت پرستی کی مذمت میں پہلے بہت کچھ سن نہ رکھا ہو۔ وہ لکھتا ہے۔

''But every one who knows India will also agree that what happened is scarcely comprehansible in a Hindu boy of fourteen years of age' unless he had already heard idolatry condemned''.(۵)

مختصر یہ کہ جس معاشرے میں دیانند سراسوتی نے آنکھ کھولی یہ وہ معاشرہ تھا جس میں توحید کے ماننے والے مسلمان صدیوں حکومت کر چکے تھے۔ یہاں جو بھی تحریک اٹھی خواہ وہ برہموسماج ہو یا آریہ سماج' وہ بت پرستی کی مخالفت کا رنگ لیے ہوئے اٹھی۔

دیانند نے ہندو معاشرے کی اصلاح اور ویدک ہندو دھرم کی نشاۃ ثانیہ کا خواب دیکھا اور پھر "بَن باسی "بن کر مختلف مسائل کی عقدہ کشائی کے لیے سرگرداں رہا۔ مختلف جوگیوں اور سنیاسیوں سے تعلیم حاصل کر کے اس نے ہندو عقائد و تعلیمات کی نئے سرے سے توضیحات کیں۔

تکمیل تعلیم کے بعد اُس نے ہندو پنڈتوں کے ساتھ مناظرے کیے' جس میں اسے کامیابی اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس نے مسلمان علماء اور عیسائی مشنریوں سے خدا کے بارے میں زندگی کی ابتداء و انتہا اور تناسخ کے مسئلے پر مناظرے کیے' لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اجمیر میں قیام کے دوران دیانند نے گائے کی حفاظت کا نعرہ بلند کیا اور وہاں کرنل برُوک سے جو وہاں کا حکمران تھا' گاؤکشی کے خلاف قانون بنانے کی درخواست کی۔ لوگوں میں مقبولیت کے باوجود اور ان کا اُسے برہمن رشی سمجھنے کے باوجود انہوں نے اس سے کوئی اثر قبول نہ کیا چنانچہ دلبرداشتہ ہو کر دیانند نے چپ رہنے کی قسم کھالی لیکن بقول جارڈنز وہ آتش بیان مقرر تھا اس لیے قسم پر قائم نہ رہ سکا۔

His digust was so deep that he even took a vow of silence but, fiery reformer as he was that vow did not last long.(۶)

آریہ سماج کی بنیاد:

۱۸۷۲ء میں دیانند کی ملاقات برہموسماج کے قائد کیشب چندر سین سے ہوئی جس نے دیانند کو برہمو سماج میں شمولیت کی دعوت دی لیکن چونکہ برہموسماج والے ویدوں کو غلطی سے مبّرا نہیں مانتے تھے اور آواگون اور تناسخ کے بھی قائل نہ تھے اس کے برعکس دیانند ان کو ہر غلطی سے مبّرا مانتا تھا اور آواگون اور تناسخ کا بھی قائل تھا۔ اس لیے برہموسماج میں شامل نہ ہو سکا۔ البتہ کیشب کی یہ تجویز اُس نے مان لی کہ عوامی اصلاحی تحریک کے لیے وہ سنسکرت

کی بجائے عام فہم ہندی زبان کو استعمال کرے نیز وہ لنگوٹی کی بجائے پورا لباس زیب تن کرے اور سنیاس کو ترک کر دے۔(۷)

اپنے مخصوص نظریات کی اشاعت کے لیے اُس نے ایسی تنظیمیں قائم کرنے کا ارادہ کیا جو ہندو معاشرے کے اندر نیا ولولہ اور جوش پیدا کر سکیں۔اس نے ۱۸۷۲ء میں آڑہ (Arrah) اور ۱۸۷۴ء میں بنارس میں آریہ سماج بنانے کی کوشش کی لیکن یہ کوششیں بار آور نہ ہوئیں۔(۸)

۳۱ دسمبر ۱۸۷۴ء کو دیانند راجکوٹ گیا وہاں اُس نے آٹھ لیکچر دیئے تا کہ اپنے نظریات کی تبلیغ کر سکے۔ اور یہاں پر اس نے آریہ سماج قائم کرنے کی ناکام کوشش کی۔اس نے کئی اور شہروں میں بھی آریہ سماج کی تشکیل کی کوشش کی لیکن وہ ہر جگہ ناکام ہوا۔

آریہ سماج کی بنیاد ۱۰ اپریل ۱۸۷۵ء کو بمبئی میں رکھی گئی تاہم اس کا پائیدار مرکز ۱۸۷۷ء میں لاہور میں قائم کیا گیا۔﴿۹﴾

آریہ سماج کے بنیادی اصول:

۱۸۷۷ء کو لاہور میں آریہ سماج کی بنیاد رکھتے وقت اس کے ۱۰ اصول بھی وضع کر دیئے گئے جن پر ایمان لانا سماج کی رکنیت حاصل کرنے والے ہر فرد پر لازم قرار دیا گیا۔ذیل میں ان کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱: حقیقی علم اور اس علم کے ذریعے جس کسی چیز کی بھی آگاہی ممکن ہے اس کا منبع برہما ہے۔

۲: بھگوان تمام تر صداقت، تمام تر علم اور تمام تر راحت ہے اس کا کوئی جسمانی وجود نہیں وہ برتر ہے۔عادل ہے رحیم و کریم ہے۔سب کو پیدا کرنے والا ہے لیکن اُسے کسی نے پیدا نہیں کیا۔وہ لامحدود اور اٹل ہے جس کا نہ کوئی آغاز ہے نہ انجام۔وہ لاثانی ہے ہر شے کا مالک اور سہارا ہے جو ہمہ بین ہے اور ہر جگہ موجود ہے جو لافانی ہے اور جسے کسی کا خوف نہیں۔جواز لی اور ذاتِ پاک ہے اور کل کائنات کا خالق ہے۔صرف اس برہما ہی کی عبادت کی جانا چاہیئے۔

۳: وید حقیقی علم کی مقدس کتب ہیں اور ہر آریائی کا اولین فرض ہے کہ ویدوں کو پڑھے یا سنے اور دوسروں کو پڑھائے اور پڑھ کر سنائے۔

۴: ہر آریہ کو سچائی تسلیم کرنے اور جھوٹ کو ترک کرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہنا چاہیئے۔

۵: اعمال نیکی کے مطابق ہونے چاہئیں، یعنی تمام اعمال نیکی اور بدی کے حوالہ سے اچھی طرح چھان بین کر کے کرنا چاہئیں۔

۶: سماج کا بنیادی مقصد بنی نوع انسان کے مادّی، روحانی اور سماجی حالات کو بہتر بنا کر پوری دنیا کو فیض یاب کرنا ہے۔

۷: ہر ایک کے ساتھ پیار، رواداری اور متعلقہ شخص کی خوبیوں کے مطابق سلوک کیا جانا چاہئیے۔

۸: جہالت کو دُور اور علم کی اشاعت کی جانا چاہئیے۔

۹: صرف اپنی ہی بھلائی پر قناعت نہ کرتے ہوئے ہر شخص کو چاہئیے کہ وہ اپنی فلاح و بہبود کو دوسروں کی بہبود سے مشترک سمجھے۔

۱۰: ایسے معاملوں میں جن کا تعلق عوام کی سماجی بہبود سے ہو کر کسی بھی شخص کو ناواجب دخل دینے سے پرہیز کرنا چاہئیے لیکن خالص ذاتی معاملات میں ہر شخص آزادانہ عمل کا مجاز ہے۔(۱۰)

گوشت خوری کے جواز اور عدم جواز کی بحث کے نتیجہ میں ۱۸۹۲ء میں آریہ سماج دو حصّوں میں تقسیم ہو گیا۔ کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ سوامی جی نے چونکہ گوشت خوری کو گناہ قرار دیا ہے اس لیے ان کے اس فیصلے کا اطلاق آریہ سماج پر بھی ہونا چاہئیے۔ جبکہ دوسرے لوگوں کا خیال تھا کہ آریہ سماج کے دس اصولوں کی پابندی لازم ہے اور اس میں گوشت خوری کے مسئلے کا کوئی ذکر نہیں۔

تعلیمی اداروں کے ذریعے اشاعتِ افکار:

دیانند نے اپنے نظریات میں تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا۔ بمبئی میں آریہ سماج کے قیام کے وقت بھی اس نے تعلیم دینے کے طریقے کو بڑے مفصل انداز میں بیان کیا۔

اور جب لاہور میں آریہ سماج کا قیام عمل میں لایا گیا تو جو دس بنیادی اصول دیئے گئے ان میں سے آٹھ اصول صرف تعلیم کے متعلق ہی تھے۔ لہٰذا سماج نے اپنے نظریات کو پھیلانے کے لیے سب سے موثر ذریعہ تعلیمی اداروں کو بنایا۔ لہٰذا پورے ہندوستان میں بالعموم اور لاہور میں بالخصوص ڈی اے وی سکول اور کالجز بڑی تعداد میں کھولے گئے جہاں مشنری اداروں کے برخلاف زیادہ محفوظ فضاء میں ہندو عقائد اور ویدک روایت کے تحت نئی نسلوں کو تعلیم دی جاتی۔

ان اداروں کے لیے مالی وسائل اکٹھا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ لہٰذا آریہ سماج بہت موثر تعلیمی تحریک تھی جو متعارف تو مذہبی تحریک کی حیثیت سے ہوئی لیکن اس نے برصغیر پاک و ہند کی سیاست، تجارت، صنعت و حرفت غرض کے زندگی کے تمام شعبہ جات پر انمٹ نقوش چھوڑے۔

شوکمار گُپتا اس بارے میں لکھتے ہیں۔

''D.A.V movement really gave a direction a systematics

expanision, won the comfidence of the people and proved a base for the spread of Arya samaj''. (۱۱)

آریہ سماج نے اپنے افکار ونظریات کو پھیلانے کے لیے سب سے موثر ذریعہ تعلیمی اداروں کو بنایا۔ دیانند نے اپنے نظریات میں تعلیم کی اہمیت پر بہت زور دیا تھا۔ بمبئی میں آریہ میں سماج کے قیام کے وقت بھی اس نے تعلیم دینے کے طریقے کو بڑے مفصل انداز میں بیان کیا۔

لہٰذا پورے ملک میں بڑے بڑے شہروں میں ڈی اے وی سکول اور کالجز کھولے گئے اور بڑی محنت سے انہیں چلایا گیا چنانچہ چند سالوں میں یہ تحریک پھیل گئی اور جالندھر' فیروز پور' ملتان' راولپنڈی' ایبٹ آباد' پشاور اور شاہجہان پور وغیرہ میں ڈی اے وی ادارے قائم ہو گئے۔ (۱۲)

لالہ لاجپت رائے نے معاشرے پر آریہ سماج کے اثرات کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ''ان تعلیمی اداروں کی بدولت آریہ سماجی تمام شعبہ ہائے زندگی میں رچ بس گئے اس کے الفاظ میں ''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ ہم نے یونیورسٹی کی تعلیم کو اور سینکڑوں گریجویٹ اور ہزاروں دوسرے عالم تعلیم مکمل کر کے ہمارے ہاں سے گئے ہیں۔ عالم یہ ہے کہ بالائی ہندوستان میں شاید ہی کوئی سرکاری یا غیر سرکاری محکمہ ہوگا جس میں کوئی نہ کوئی شخص جس نے ڈی اے وی کالج یا سکول میں تعلیم نہ پائی ہو۔ (۱۳)

جارحانہ سوچ کے کارکن:

آریہ سماج کے کھولے ہوئے تعلیمی اداروں کے ذریعے سنسکرت اور ہندی کی تعلیم کے رجحان کو خوب فروغ ملا۔ ان کالجز کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا تھا جو متشدد ذہن رکھتے ہوں ہندومت پر مکمل ایمان رکھتے ہوں اور دوسرے مذاہب وادیان کے مقابلہ میں جارحانہ انداز رکھتے ہوں۔ ایسے لوگ زندگی کے ہر شعبے میں موجود تھے۔ بنکاری' صنعت وحرفت اور صحافت وغیرہ میں یہ آریہ سماجی بہت نمایاں تھے۔ ان کی حیثیت مشنری کی تھی اور ان میں سب سے زیادہ با اثر وہ لوگ تھے جن کو لالہ ہنس راج نے ''لائف ممبر'' بنایا تھا۔ یہ لوگ ۷۵ روپے ماہوار پر اعزازی طور پر ڈی اے وی کالج کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیتے تھے۔ عموماً یہ لوگ ٹیچر تھے' لیکن ہنگامی حالات میں یہ سب کچھ بن جاتے مثلاً اگر سندھی کی تحریک چلے تو یہ مبلغ بن جاتے اور ضرورت کے تحت سیاسی کارکن بھی۔

ستھیارتھ پرکاش:

دیانند نے آریہ سماج کی تشکیل سے قبل اپنی مشہور تصنیف ''ستھیارتھ پرکاش'' کی اشاعت کی یہ کتاب اس کے طرزِ فکر کی نمائندہ تصور کی جاتی ہے کیونکہ اس کی بنیاد پر برصغیر پاک و ہند جنوبی ایشیاء میں سب سے زیادہ جارحانہ ہندو تحریک ''آریہ سماج'' چلی۔ ستھیارتھ پرکاش کا لغوی مطلب ہے۔''حق کی تلاش'' (Light of truth)اس کتاب کا مقصد تصنیف بیان کرتے ہوئے دیانند خود رقمطراز ہے۔

''اس کتاب کی تصنیف سے میرا اصل منشاء صحیح صحیح باتوں کو ظاہر کرنا ہے اس سے میری مُراد سچ کو سچ اور جھوٹ کو جھوٹ بتانا ہے''۔(۱۴)

ستھیارتھ پرکاش ۱۸۷۴ء میں منظر عام پر آئی' اس کتاب کے اُردو اور انگلش تراجم ہوئے۔ شری درگا پرشاد نے پہلا انگریزی ترجمہ Light of truth کے نام سے کیا جس کے پہلے صفحہ پر ہی اُس نے دیانند کو Luther of India کا خطاب دیا۔

ستھیارتھ پرکاش کے دیباچے میں ابواب کی تقسیم اور ان کا خلاصہ دیا گیا ہے یہ کتاب کل چودہ ابواب پر مشتمل ہے۔ اس کے دو حصّے ہیں۔ پہلے گیارہ ابواب پہلے حصّہ میں شامل ہیں جس میں ہندومت کے مختلف فرقوں اور منتروں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

بارہویں باب میں بدھ مت اور جین مت پر تنقید اس خیال سے کی گئی ہے کہ یہ ناستِک (ملحد) فرقے تھے۔ اس کے تیرھویں اور چودھویں باب میں عیسائیت اور اسلام کے بارے میں بڑی لایعنی اور بے بنیاد باتیں کی ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ اور تخلیق آدمؑ پر کھل کر تنقید کی ہے۔

دیانند یہ سوال کرتا ہے کہ خدا نے شیطان کو کیوں بنایا' جس نے آدم کو دھوکہ دیا پھر خدا نے اس کو پوری قوم کو دھوکہ دینے کی اجازت کیوں دی' اس کا جواب وہ دیتا ہے کہ عیسائیت کا خدا ہمدان نہیں ہے علیمِ کل بھی نہیں ہے اگر ہوتا تو آئندہ اعتقاد کو بھی ہمہ دانی سے جان لیتا۔(۱۵)

مزید لکھتا ہے'' دیکھئے انجیلی خدا کی طاقت کہ شیطان اس کے سامنے اس کے عابدوں کو تکلیف دیتا ہے نہ وہ شیطان کو سزا دے سکتا ہے نہ اپنے معتمدوں کو بچا سکتا ہے اور نہ فرشتوں میں کوئی اُس کا مقابلہ کر سکتا ہے ایک شیطان نے سب کو خوفزدہ کر رکھا ہے انجیلی خدا بھی ہمدان نہیں اگر ہمدان ہوتا تو ایوبؑ کا امتحان شیطان سے کیوں کراتا۔(۱۶)

ہابیل کی قربانی قبول کرنا دیانند کے نزدیک خدا کے گوشت خور ہونے کی دلیل ہے۔''اگر خدا گوشت خور نہ ہوتا تو بھیڑ کی نذر نہ لیتا اور ہابیل کی عزت اور قائن کی نذر کی بے قدری کیوں کرتا''۔

پھر بائبل میں جہاں حضرت موسٰی اور اس کی قوم کو قربانی کا حکم دیا گیا ہے اس کے بارے میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے: ''غور کیجئے عیسائیوں کا خدا گائے بیل وغیرہ کی قربانی لینے والا ہے اور وہ اپنے لیے قربانی کروانے کی ہدایت کرتا ہے (بتایئے کہ) وہ بیل گائے وغیرہ جانوروں کے لہو گوشت کا بھوکا پیاسا ہے یا نہیں؟ اس لیے وہ رحیم اور خدا کے درجے میں شمار نہیں ہوسکتا البتہ وہ ایک گوشت خور نمائش پسند آدمی کی مانند ہے''۔(۱۷)

اس کا کہنا ہے کہ جب عیسائیوں کا خدا ہی بیل کا گوشت کھاتا ہے تو عیسائی کیوں نہ اپنا پیٹ گائے کے گوشت سے بھریں گے۔(۱۸)

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن پر کتاب پیدائش میں الزام لگایا گیا ہے کہ انہوں نے مصر جاتے ہوئے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے وہ مجھے مار ڈالیں گے اور تجھے جیتا رکھیں گے تو کہنا کہ میں اس کی بہن ہوں۔

دیانند سوال اٹھاتا ہے کہ ابراہیم عیسائیوں اور مسلمانوں کا بڑا مشہور پیغمبر ہے کیا اس کے اعمال و روغ گوئی وغیرہ بُرے نہیں؟ بھلا جن کے ایسے پیغمبر ہوں ان کو علم اور بہبودی کا راستہ کیوں کر مل سکتا ہے۔(۱۹)

حضرت لوطؑ کے بارے میں دیانند نے جو حوالہ نقل کیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کو ان کی بیٹیوں نے شراب پلائی تا کہ اپنی نسل کو اپنے باپ سے برقرار رکھ سکیں' چنانچہ وہ اُس سے حاملہ ہوئیں اس کا کہنا ہے کہ ''باپ بیٹی بھی جس شراب نوشی کے نشہ میں بدفعلی کرنے سے نہ بچ سکے اس شراب خانہ خراب کو جو عیسائی وغیرہ پیتے ہیں تو ان کی خرابی کا کیا ٹھکانہ ہے۔(۲۰)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کی پیدائش کے بارے میں لکھتا ہے کہ یہ ناممکنات میں سے ہے کہ حضرت مریم کے ہاں اس طرح بچے کی پیدائش ہو یہ تو بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ پُرانوں میں لکھا ہے کہ آفتاب کی وجہ سے کنتی حاملہ ہوگئی تھی۔ ایسی ایسی باتوں کو آنکھ کے اندھے گانٹھ کے پورے لوگ جان کر مغالطے کے دام میں پھنستے ہیں یہ بات اس طرح ہوئی ہوگی کہ کسی آدمی کے ساتھ صحبت کرنے سے مریم حاملہ ہوگئی ہوگی۔(نعوذ باللہ)(۲۱)

حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ کرامات میں حضرت لوطؑ کے برابر بھی نہ تھا آج عیسائیوں نے اس قدر شور مچا رکھا ہے بجائے ایسی ذلت کے مرنے کے اگر وہ خود لٹک کر یا سمادھی چڑھا کر یا کسی اور طرح سے جان دے دیتا' تو زیادہ اچھا تھا۔عیسٰی جب پیدا ہوا تو کنگال تھا اس لیے دِن رات خدا سے روٹی کے لیے دُعا کرتا ہے۔(۲۲)

اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھا کہ'' اُس کی خصلتیں اور غصہ بدصفتوں والا ہے وہ انسانوں کو مارنے والا ہے اور چور کی مانند قانونِ سلطنت سے بھاگنے والا تھا اس لیے وہ دروغ گو بھی ہوگا' کیونکہ وہ بات کو چھپاتا تھا''۔(۲۳)

انجیل میں بیان کردہ معجزات موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں لکھتا ہے'' کیوں جی پہلے تو خدا اسرائیل کے خاندان کے پیچھے اس طرح پھرا کرتا تھا جیسے گڈریا بھیڑوں کے پیچھے اب نہ جانے وہ خدا کہاں غائب ہوگیا؟ ورنہ سمندر کے بیچ میں چاروں طرف ریل گاڑیوں کی (اس سے) سڑک بنوا لیتے جس سے ساری دنیا کو فائدہ پہنچتا اور کشتی وغیرہ بنانے کی محنت سے رہائی ملتی' مگر کیا کیا جاوے انجیلی خدا تو چھپ رہا ہے اس قسم کے بہت سے ناممکن تماشے بائبل کے خدا نے موسیٰ کے ساتھ کیے یہ ظاہر ہوگیا کہ جیسے انجیلی خدا ہے ویسے اُس کے عابد ہیں اور ویسی ہی اس کی بنائی ہوئی کتاب ہے۔(۲۴)

یہود و نصاریٰ اور ان کے پیغمبروں اور مذہبی کتب پر ہَرزہ سرائی کے چند نمونوں کو ملاحظہ فرمانے سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس نے ان مذاہب کے خلاف کیا جارحانہ انداز اختیار کر رکھا تھا۔

ستھیارتھ پرکاش میں مخالفتِ اسلام:

ستھیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں دیانند نے اسلام اور قرآن کریم پر بے شمار اعتراضات کیے ہیں جن سے اس کی کج فہمی اور کج بحثی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس نے نہایت گھٹیا اور عامیانہ زبان استعمال کی اور ہندو مسلم فساد کا جو بیج بویا وہ برصغیر کی تاریخ میں فیصلہ کن ثابت ہوا۔خواجہ حسن نظامی اپنی کتاب''اسلام اور آریہ سماج کی ترازو''میں لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کا احترام جس درجہ مسلمان کرتے ہیں اس سے کچھ کم ہندو بھی نہ کرتے تھے اگر کوئی مسلمان ملازم کسی ہندو امیر کے ہاں روزہ دار ہوتا' تو اس سے کام لینا پسند نہ کرتے۔رمضان شریف کے زمانہ میں روزہ افطاری کے لیے مسجدوں اور اپنے گھر کے مسلمان ملازموں کے لیے سامان پکواتے اور دلجوئی کے ساتھ ان کو کھلاتے پلاتے اور عید کے موقع پر مسلمانوں سے ملتے۔مسلمان درویشوں کی خدمت میں بیٹھنا ثواب سمجھتے۔عشرہ محرم پر سبیلیں لگاتے اور شربت پلاتے۔اماموں کے نام پر صدقہ دیتے۔مساجد میں چراغ جلاتے۔صفائی اور مرمت میں خرچ کرتے یہ تمام صورتیں دیانند سراسوتی یا نئی آریہ سماج کے خروج تک بحالہ قائم تھیں لیکن اس تحریک کے جنم لیتے ہی ہندوستان کی صاف و روشن فضا کے کنارے گرد آلود ہوگئے۔اور جلنے پر تیل کا کام ستھیارتھ پرکاش نے کیا اس

نے اسلام اور مسلمان دونوں کے خلاف ہر ممکن طریقے سے ہندوؤں کو ابھارا۔ اور اس طرح اسلام اور مسلمانوں کو بُرا بھلا کہنا بہترین قرار دیا گیا''۔(۲۵)

ستھیارتھ پرکاش کے آخری تین ابواب کا بغور جائزہ لینے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ دیانند نہ غیر جانبدار تھا اور نہ واقعی حق کا متلاشی ایک ہندو تھا جس نے دیگر مذاہب کے مقابلے پر نہایت سُوقیانہ انداز اختیار کیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے دیانند سراسوتی کی لغویات (ستھیارتھ پرکاش کے چودھویں باب) کا تحریری جواب ''حق پرکاش'' کے نام سے تحریر فرمایا اور دیانند نے پیغمبر اسلام، قرآن اور اسلام پر جو رکیک حملے کیے تھے ان کا مدلل اور مسکت تحریری جواب دیا۔ جس سے دیانند کے پیدا کردہ شکوک کا ازالہ ہو گیا۔

البتہ داخلی محاذ پر بت پرستی کی مخالفت کی اور ذات پات کے نظام کو برقرار رکھتے ہوئے نچلی جاتیوں کے لیے قدرے بہتر مقام حاصل کرنے کی راہ نکالی اور بعض لغو ہندووانہ رسوم مثلاً نیوگ وغیرہ میں کچھ پابندیاں اور شرائط کر کے مصلح Reformer ہونے کا ثبوت دیا۔

لیکن اس کی تحریک کا لب لباب اسلام اور عیسائیت کی مخالفت تھا۔ عیسائیت کا تو وہ کیا بگاڑ سکتا تھا کہ وہ قوت حاکمہ تھی اس کے پیروکاروں کا سارا زور اسلام کے خلاف صرف ہو گیا، جس سے برصغیر میں ہندو مسلم فسادات کی نئی طرح ڈالی اور بالآخر معاشرت، معیشت، سیاست ہر جگہ دونوں قوموں کو آمنے سامنے کر دیا اور ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ مسلمانوں کے لیے الگ ملک کے مطالبے کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا۔

تصورِ قومیت:

آریہ سماجی مصنفین کا آج تک یہ دعویٰ ہے کہ برصغیر میں صحیح قوم پرستی کی روح انہوں نے پیدا کی۔ اِس قوم پرستی کی بنیاد ویدوں کی عظمت کے تصور پر رکھی گئی تھی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ وید آریاؤں کو اُس وقت دیئے گئے تھے جب وہ علم وثقافت میں لاثانی تھے۔ آریاؤں کی نسلیں برہمنوں کی چالبازی اور غلط روش کی وجہ سے ویدوں سے دُور ہٹ گئیں، مسلمانوں اور عیسائیوں کی فتح کے سبب ہندوستان اپنے شاندار ماضی سے مکمل طور پر کٹ گیا اور پستیوں میں گھرے ہوئے ہندو آپس میں لڑنے لگے یا شراب اور گائے کا گوشت کھانے کے عادی ہو گئے جس پر ان کے نئے حکمرانوں نے ان کو آمادہ کیا۔ دیانند نے ہندوؤں کو ویدوں کے مذہب اور اصولوں کو اپنا کر ایک مرتبہ پھر ہندوستان کو دنیا میں بلند مقام دلوانے پر اکسایا۔

آریہ سماج کا سیاسی کردار:

آریہ سماج نے دیانند کے نظریات کو جدید قالب میں ڈھال کر ہندو قوم میں پھیلایا' اس مقصد کے لیے آریہ مندر قائم کیے جہاں ہفتہ وار وعظ ہوتا تھا۔ بے شمار کتابچے اور پمفلٹ شائع کر کے اپنے نظریات کو ہندو عوام تک پہنچایا گیا' اخبارات و جرائد نکالے گئے۔ جو سیاسی امور پر آریہ سماجی نقطۂ نظر کی وکالت کرتے تھے صرف لاہور سے "آریہ پتریکا" اور "پنجابی" دو اخبار نکلتے تھے۔

آریہ سماج نے کبھی انڈین کانگریس میں دلچسپی لی اور کبھی اس کی مخالفت کی۔ ابتدائی دور میں کانگریس کے ۱۸۹۳ء میں منعقد ہونے والے اجلاس لاہور میں جب دادا بھائی نوروجی اور اے او ہیوم نے مسلمان شرکاء کے کہنے پر مسلمانوں کی ترقی کے بارے میں کچھ قراردادیں پیش کرنا چاہیں تو آریہ سماجی لیڈر رمل راج نے اتنا شور مچایا کہ قراردادیں واپس لینا پڑیں۔(۲۶)

بیسویں صدی کی ابتداء میں لالہ لاجپت رائے نے پنجاب کانگریس میں گھس جانے کا فیصلہ کیا' تو پنجاب میں کانگریس کی ہر شاخ میں فعال عناصر آریہ سماجی ہی تھے اور عملاً پنجاب کانگریس کی قیادت آریہ سماج نے سنبھال لی۔(۲۷) آل انڈیا سطح پر انہوں نے انتہا پسند مرہٹہ رہنما تِلک کا ساتھ دیا وہ بنگال کی تقسیم کے خلاف چلنے والی سودیشی تحریک میں بھی پیش پیش تھا اور ۱۹۰۵ء کے اس وفد کانگریس نے' جس میں لالہ لاجپت رائے بھی شامل تھا جو لندن میں حقوق مانگنے گیا تھا۔ واپسی پر لاجپت کی انتہا پسندی میں اور اضافہ ہو گیا اور وہ ہندو مسلم کے اتحاد کے کسی تصور کا بھی حامی نہ بنا۔ ۱۹۰۷ء میں پنجاب میں آبیانے میں اضافہ اور خریداری زمین کے متعلق نئے قوانین کے خلاف ہنگامے ہوئے چونکہ ان قوانین سے سکھ اور ہندو براہ راست متاثر ہوتے تھے اس لیے آریہ سماج نے ان کی قیادت کی۔

اس تحریک کا آغاز ۳ فروری ۱۹۰۷ء کو آریہ مندر لائلپور (فیصل آباد) کے جلسے سے ہوا۔ مارچ میں اسی مقام پر پھر جلسہ ہوا جس میں لالہ لاجپت رائے' رام بھج دَت' دونی چند اور بخشی ٹیک چند نے آریہ سماجی نمائندوں کی حیثیت سے شرکت کی۔

آریہ سماجی اخبار ''پنجابی'' کے مالک جسونت رائے کو دو سال قید سخت کی سزا سنائی گئی تو تحریک نے خونریز ہنگاموں کی شکل اختیار کر لی اور مشتعل ہجوم نے سول اینڈ ملٹری گزٹ کے انگریز رپورٹر پر لارنس گارڈن کے قریب حملہ کر کے اُسے زخمی کر دیا۔ ہنگاموں نے شدت اختیار کر لی تو انگریزوں نے محسوس کیا کہ ۱۸۵۷ء کی غدر کو دہرایا جا رہا ہے۔(۲۸)

اس تحریک کے دوران آریہ سکھ بھائی بھائی کے نعرے لگائے گئے۔اس تحریک کے اہم ترین کردار لالہ لاجپت رائے اور اجیت سنگھ تھے اور اس تحریک نے پنجاب بھر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔حکومت نے ان دونوں لیڈروں کو گرفتار کر کے برما جلاوطن کر دیا۔اور تحریک کو سختی سے دبا دیا بعد میں سیاسی مصلحت کے تحت دونوں رہا کر دیئے گئے' لیکن آریہ سماج پر حکومت کا عتاب کئی سال جاری رہا۔اور آریہ سماجی بھی کسی نہ کسی نام سے اپنی سیاسی سرگرمیوں کو جاری رکھے ہوئے تھے۔

اجیت سنگھ ملک سے بھاگ کر یورپ جا پہنچا جہاں وہ غدر پارٹی میں شامل ہو گیا۔لالہ لاجپت رائے نے ۱۹۱۱ء میں لاہور میونسپل کمیٹی کا انتخاب جیت کر دوبارہ سیاست میں قدم رکھا۔تاہم پہلی جنگ عظیم کے آغاز میں وہ انگلستان گیا تھا' جہاں اُسے روک لیا گیا پھر وہ ۱۹۲۰ء میں واپس لوٹا آریہ سماجی سیاست کا تیسرا کردار لالہ منشی رام تھا جسے ہم شردھانند کے نام سے جانتے ہیں اُس نے حکومت کے ساتھ وفاداری کا اعلان کیا تھا' لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد وہ بھی سیاسی سرگرمیوں میں کھل کر کود پڑا۔

آریہ سماج کا ایک لیڈر بھائی پرمانند تھا جسے ۱۹۱۰ء میں نظر بند کیا گیا بعد میں اسے غدر پارٹی کے ساتھ تعلقات کی پاداش میں پھانسی کی سزا سنائی گئی جو بعد میں عمر قید میں تبدیل ہو گئی اور ۱۹۲۱ء میں رہا کر دیا گیا۔(۲۹) اس پارٹی کا لالہ ہر دیال بھی غدر پارٹی میں شامل تھا جو جنگ کے بعد واپس لوٹا اور اُس نے شدھی اور سنگھٹن میں بڑا اہم کردار ادا کیا۔

برطانوی حکومت نے جنگ عظیم کے دوران آریہ سماج کی زیر زمین سرگرمیوں پر بھی نگاہ رکھی چنانچہ ڈی ایے وی کالج کے بانی پرنسپل لالہ بال راج کو بھی گرفتار کیا گیا' جس کے خلاف مقدمہ لاہور کی بجائے دہلی میں چلایا گیا تا کہ آریہ سماجی حملہ کر کے اُسے چھڑا نہ لے جائیں اُسے سات سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔(۳۰)

(ب) بال گنگا دھر تلک:

جب آریہ سماج ہندوؤں کو ویدوں کی طرف مراجعت' ہندوستان' ہندوستانیوں کے لیے اور گئو رکھشا سبھا کا درس دے رہی تھی اور گئو کش مسلمانوں کو غیر ملکی قرار دے کر ملک سے نکالنے یا شدھی کرنے کی باتیں کر رہی تھی' اس طرح کی ایک لہر مہاراشٹر میں بال گنگا دھر تلک کی شکل میں موجود تھی۔

بال گنگا دھر تلک ۲۳ جولائی ۱۸۵۶ء میں رتنا گڑھی (Ratanagiri) مہاراشٹر میں پیدا ہوا اس کا تعلق ایک متوسط درجے کے برہمن خاندان سے تھا۔شروع ہی سے تعلیم سے اُس کو زیادہ لگاؤ نہ تھا۔بقول اُس کے ''میں

اپنی زندگی اپنے عوام کو اُبھارنے کے لیے وقف کرنا چاہتا ہوں میرے خیال میں اس مقصد کے لیے قانون کا علم، سائنس یا لٹریچر میں یونیورسٹی کی ڈگری سے بہتر ہے۔(۳۱)

اس کے مخصوص مزاج کے سبب اُس کے دوست اس کو مسٹر بلنٹ Mr. Blunt کہہ کر پکارتے تھے۔(۳۲)

تِلک کی زندگی کا آغاز پُونا میں نیو انگلش اسکول کے قیام (یکم جنوری ۱۸۸۰ء) سے ہوا۔اس کے بعد اس نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے دکن ایجوکیشن سوسائٹی کی بنیاد رکھی، اس کے ان منصوبوں میں گوپال گنیش اگارکر بھی شامل تھا۔ دونوں نے مل کر مرہٹی زبان میں کیساری اور انگلش میں مہارٹا (Maharta) ''اخبار'' جاری کیے ان دونوں کی زبان بہت سخت تھی۔

برطانوی حکومت نے باغیانہ خیالات کی اشاعت کی پاداش میں چار ماہ کی قید کی سزا دی۔جیل سے واپسی پر اگارکر اور تلک میں جدائی آ گئی اور دونوں کی راہیں جدا ہو گئیں۔

اگارکر نے سدھارک (۱۸۸۸ء) میں اپنا اخبار نکالا اور تِلک بلا شرکت غیرے پہلے دونوں اخبار کیساری اور مہارٹا کا مالک بن گیا۔ دکن ایجوکیشن سوسائٹی میں اعتدال پسند کانگرسی رہنما کرشن گوپال گوکھلے جب اس کا لائف ممبر بنا تو دونوں کی آپس میں ٹھن گئی۔

پونا میں سروجنک سبھا ''Sarvo Janik Sabha'' کا قیام عمل میں آیا۔ تِلک اس میں شامل ہو گیا اور اپنے جارحانہ مزاج کی وجہ سے وہ اپنی بات منوالیتا تھا۔تاہم تِلک کے تند و تیز مزاج کو اس کے دوسرے ساتھی پسند نہیں کرتے تھے۔۱۸۸۰ء میں گوکھلے سبھا کا جنرل سیکرٹری منتخب ہوا۔تِلک نے گوکھلے کی وجہ سے دکن ایجوکیشن سوسائٹی اور سروجنک سبھا دونوں سے استعفٰی دے دیا اور پھر تعلیم کی بجائے صحافت اور سیاست میں بھرپور دلچسپی لینا شروع کر دی۔

گنپتی کے میلے:

تِلک کی اٹھان ہی ایک بنیاد پرست ہندو کی حیثیت سے تھی، اس نے ۱۸۹۳ء میں گنیش دیوتا کے اعزاز میں میلے منانا شروع کیے ان کو گنپتی کا میلہ کہا جاتا تھا۔ یہ میلہ محرم کی طرح دس روز جاری رہتا تھا۔ تِلک نے اس کی تقریبات کو من و عن محرم کی تقریبات کا مثنیٰ بنا دیا، صرف تعزیوں کی جگہ گنپتی کے بت کو داخل کر دیا۔

محرم برصغیر میں روایتی طور پر دس دن تک منایا جاتا رہا ہے اور تعزیے جو شہدائے کربلا کے مزاروں اور

مقبروں کے نمونے پر ہوتے ہیں' جلوس کی شکل میں نکالے جاتے ہیں۔ان کے ساتھ پٹہ بازوں اور شمشیر بازوں کی جماعتیں ہوتی ہیں جو اپنے جنگی بہادرانہ کرتبوں کا مظاہرہ کرتی ہیں۔ بندرگاہوں پر ان کے جلوس کا راستہ سمندر کی طرف ہوتا ہے جہاں آخری دِن تعزیے سمندر میں ڈبو دیئے جاتے ہیں۔تلک نے گنپتی کی تقریب کو منظّم کرنے میں ان تمام خصوصیات کو اختیار کرلیا۔مقصد یہ تھا کہ اس تقریب کو بطور خاص مسلمانوں کے لیے دِل آزاد بنایا جائے اور ہندوؤں کے ذہن میں اس کے متعلق کوئی شبہ باقی نہ رہنے دیا جائے کہ انہیں یہ فوجی تربیت اس غرض سے دی جارہی ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف کش مکش کے لیے تیار ہوجائیں۔

شِیواجی کی توقیر:

تلک نے بڑی حکمت کے ساتھ مسلم سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے والے مرہٹہ لیڈر شیواجی کو ایک بطل جلیل کے رتبہ پر پہنچادیا شیواجی مسلک (Shivaji Cult) کو قبول عام کا درجہ دلایا۔اس نے شیوا کی قبر کی مرمت کروائی' اس کی یادوں کو تازہ کیا اور مسلمانوں کے خلاف اُس کے فراڈ اور غداری کو حق بجانب قرار دیا اور تلک نے اس کی شخصیت کو اِس طرح پیش کیا کہ وہ ہندو نوجوانوں کا آئیڈیل بن جائے۔(۳۳)

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کے الفاظ میں: ''مسلم سلطنت کے خلاف بغاوت کرنے والا مرہٹہ ایک بطل جلیل کے رتبے پر پہنچادیا گیا۔ملیچھوں کے خلاف اس کے افعال کو جلسوں میں اور تحریروں کے ذریعے سراہا گیا' اس طرح تلک نے جو ہندوستانی قوم پرستی کے بانیوں میں سے تھا وہ ٹھوس بنیادیں قائم کیں جن پر آنے والے زمانے میں وقتاً فوقتاً مختلف شدتوں کی تحریکات اٹھتی رہیں''۔(۳۴)

تلک نے جون ۱۸۹۷ء میں کیساری میں شیواجی کے بارے میں دو مضامین شائع کیے پہلے مضمون میں اس نے لکھا کہ شیواجی نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر کے سوراج حاصل کرلیا تھا۔اس نے ہندوؤں کی ضعیف الاعتقادی کو اپیل کرنے کے لیے یہ بھی لکھا کہ شیواجی کی روح اس کی موت کے وقت سوگئی تھی اب جب کہ اُس نے انگریزوں کو اپنی قوم کے ساتھ ظلم کرتے دیکھا وہ پھر جاگ گئی ہے۔

دوسرے مضمون میں اُس نے شیواجی کے ''افضل خان'' کو دھوکہ سے قتل کرنے کے فعل کو جواز دیتے ہوئے لکھا اگر چور ہمارے گھر میں گھس آئیں اور ہمارے پاس ان کو نکالنے کی سکت نہ ہو تو ہمیں بلا جھجک ان کو کسی کمرے میں بند کر کے زندہ جلا دینا چاہیئے اس کے بعد جذباتی انداز میں لکھا۔''خدا نے ان ملیچھ لوگوں کو ہندوستان کی حکومت تانبے کی تختی لگا کر مستقل طور پر حوالے نہیں کردی گھڑے کے مینڈک کی طرح اپنی سوچ کو محدود نہ کرو' قانونی جکڑ بندیوں سے

باہر نکلو اور بھگوت گیتا کی اعلیٰ فضا میں پہنچو اور پھر عظیم انسانوں کے افعال پر غور کرو''۔(۳۵)

۹۷۔۱۸۹۶ء میں دکن میں شدید قحط کے بعد طاعون کی وبا پھیل گئی تِلک نے ان دونوں چیزوں کی ذمّہ داری غیر ملکی حکمرانوں پر ڈال دی اور اس کے خلاف شدید پروپیگنڈہ کیا۔اس کے نتیجہ میں اس کے دو چیلوں نے طاعون کے خلاف کام کرنے والے دو افسروں ڈبلیو۔سی۔رانڈ (W.C.RAND) اور لیفٹیننٹ آئرسٹ (Lt. Arest) کو قتل کر دیا اس پر تِلک کو گرفتار کر لیا گیا اور اس پر دہشت گردی پر اُکسانے کے الزام میں مقدمہ چلایا گیا اور اُسے ۱۸ ماہ قید کی سخت سزا ہوئی۔گوپال کرشن گوکھلے نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۶ء میں تِلک کے بارے میں لکھا: ''وہ سازش کرنے کی بے مثال صلاحیت رکھتا ہے اور اس پر اس کے ضمیر کی کوئی گرفت نہیں ہوتی''۔(۳۶)

تلک نے آہستہ آہستہ اپنے ہم خیال لوگوں کی تعداد میں خوب اضافہ کیا اس کے اولین شاگرد مرہٹے اور بنگالی تھے۔ بنگالیوں نے گنپتی کی مورتی کی بجائے جو زیادہ نرم مزاج تھی' خوف کی دیوی کالی کو جو تباہ کاری کی ماں ہے اپنی تحریکات کا نشان بنایا۔

کانگریس کا قیام:

انگریزوں نے ہندوستان کی سیاسی بے چینی کا اندازہ لگا کر کانگریس کا قیام ضروری سمجھا چنانچہ لارڈ ڈفرن (Lord Dufferin) وائسرائے ہند کی ایماء پر ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء میں کانگریس کا قیام عمل میں آیا۔(۳۷)

اس کے پہلے صدر مسٹر ڈبلیو سی۔بونرجی بنے۔اس وقت اس جماعت کا مقصدِ اولین مختلف مذاہب اور اقوام کے افراد کو ایک لڑی میں پرونا تھا۔سرسیّد کے خیال کے مطابق کانگریس میں مسلمانوں کی شرکت نافع نہ تھی تاہم علماء میں سے کچھ حضرات نے سرسیّد کے سیاسی مسلک کی تائید نہ کی اور مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت سے منع نہ کیا۔

☆ اس سلسلہ میں عزیز الرحمٰن جامی نے بیان کیا ہے جس کی تائید مولانا حسین احمد مدنی نے بھی کی کہ ۱۸۸۶ء میں علماء لدھیانہ نے ''انڈین نیشنل کانگریس'' کی شرکت کے لیے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور ریاستوں میں پھیلے ہوئے علماء سے فتوے حاصل کیے۔ان فتاویٰ پر دستخط کرنے والے علماء کی تعداد ایک سو تھی۔جنہوں نے بالاتفاق رائے مسلمانوں کی کانگریس میں شرکت جائز قرار دی تھی۔(۳۸)

تاہم ابتدائی اجلاس کے شرکاء جن کی کل تعداد ۷۲ تھی ان میں صرف ۲ مسلمان تھے باقی سب ہندو تھے۔کانگریس کا ابتدائی دور اعتدال پسندی کا دور تھا۔چند سال کانگریس کے ہندو ممبران نے اپنے متعصّبانہ مقاصد کو ڈھانپنے کی ناکام کوشش کی ۱۸۹۲ء کے قانون مجالس ہند کے پاس ہونے کے بعد وہ ''انتخابات'' حاصل کرنے میں

کامیاب ہو گئے تھے' مقابلہ کے امتحانوں کے سلسلے میں بھی انہوں نے کچھ مراعات حاصل کر لیں اس کے بعد انہوں نے رفتہ رفتہ وہ نقاب الٹ دیا جو اپنے بھیانک چہرے چھپانے کے لیے پہن رکھا تھا۔

کانگریس کے نرم و گرم گروپ:

۱۸۸۹ء میں تلک کانگریس کی سبجیکٹ کمیٹی کا ممبر منتخب ہوا اس کے انتہا پسندانہ اقدامات ہندوؤں کے دِل کی آواز تھے جلد ہی اسے بنگال کے انتہا پسندوں بپن چندر پال' ارابندو گوش' بنکم چٹر جی کی حمایت حاصل ہو گئی۔ سوامی وائی وی کناڈا کے چھوٹے بھائی بھوپندرا ناتھ دَت نے بنگالی میں ایک اخبار نکالا جو بنگال میں وہی کام کرتا تھا جو مہاراشٹر میں کیساری کرتا تھا۔ ان سب لوگوں نے مل کر کانگریس پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی تعداد اس میں برائے نام رہ گئی۔ بیسویں صدی کے پہلے عشرے میں کانگریس میں اعتدال پسندوں اور انتہا پسندوں کے درمیان کشمکش رہی۔ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے نے آریہ سماجیوں کی مدد سے کانگریس پر قبضہ کر لیا تھا اور مرکز میں تلک اور پنڈت موہن مالویہ بااثر تھے۔ ۱۹۰۷ء کے سورت میں کانگریس کے اجلاس میں تِلک کی زیرِ قیادت انقلاب پسندوں نے لالہ لاجپت رائے کو صدر بنانے کی کوشش کی لیکن صدر ڈاکٹر راش بہاری گھوش کو بنایا گیا۔

پروفیسر پریتم سنگھ لکھتے ہیں: ''اس پر شور ش ہو گئی اعتدال پسند ایک طرف اور انقلاب پسند دوسری طرف تھے انقلاب پسند سوراج اور بائیکاٹ اور قومی تعلیم کے متعلق کچھ کہنا چاہتے تھے' اعتدال پسند مخالفت کرتے تھے۔ تلک صاحب کچھ کہنا چاہتے تھے۔ ڈاکٹر گھوش صاحب نے خطبہ صدارت شروع کر دیا پھر کیا تھا اب طوفان بدتمیزی برپا ہو گیا' جوتیاں چل گئیں اور اجلاس معطل کرنا پڑا''۔(۳۹)

اس کے بعد کانگریس مسلسل دو دھڑوں میں بٹی رہی اجلاس لاہور ۱۹۰۹ء کی صدارت پنڈت مدن موہن مالویہ نے کی' جس میں مسلمانوں کو جداگانہ انتخاب کا حق دینے کی مذمت کی اور مسلمانوں کو ضرورت سے زیادہ نمائندگی دینے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا۔(۴۰)

۱۹۱۰ء کے اجلاس الٰہ آباد میں میونسپل کمیٹیوں کے لوکل بورڈوں جداگانہ نظام کے انتخاب کو رائج کرنے کی شدت سے مخالفت کی۔ اس پورے عرصہ میں انتہا پسند کھلم کھلا تقسیم بنگال کی مخالفت میں تحریک چلاتے رہے' جو ایک طرف انگریزوں کے خلاف تھی اور دوسری طرف مسلمانوں کے خلاف کیونکہ تقسیم بنگال پر ہندوؤں کا اعتراض یہ تھا کہ اس سے مشرق میں ایک مسلم اکثریت کا صوبہ ابھر آیا ہے۔ اس دور کی ہندو سیاست کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ انتہا پسند تو تھے ہی اعتدال پسندوں کا لیڈر راش بہاری گھوش تھا جو ۱۹۱۲ء میں وائسرائے لارڈ ہارڈنگ پر بم پھینکنے کے جُرم میں ملوث پایا گیا اور وہ قانون کے شکنجے سے بچنے کے لیے جاپان فرار ہو گیا۔

ہندوقوم پر مذہبی اور قوم پرستی کا جنون:

انیسویں صدی کے آخری سالوں میں ہندوقوم میں ایک نئی ذہنیت پیدا ہوگئی کہ سرزمین ہند صرف ہندوؤں کے لیے ہے اور کسی غیر ہندو کو یہاں رہنے کا حق نہیں ہے۔ مسلمانوں کو غیر ملکی Aliens کہا گیا۔

۱۸۸۴ء میں ایک ہندو اخبار ''Regeneration of Arya varta'' کے نام سے ہندوؤں کو اصل سپوت (Sons of the land) لکھا۔ اس نے لکھا کہ موجودہ مسلمانوں کی اکثریت ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ہندومت سے اسلام قبول کرنے پر مجبور کیے گئے تھے۔ اور ان نام نہاد محمدیوں میں سے صرف ۵ فیصد سے ۱۰ فیصد لوگ ان لوگوں کی اولاد ہیں، جنہوں نے آریہ ورت پر حملہ کیا تھا باقی سب ان لوگوں کے بیٹے اور پوتے ہیں جنہوں نے اپنا مذہب تبدیل کیا تھا۔ (۴۱)

اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ ہر وہ چیز قابل نفرت ٹھہری جو مسلمانوں سے متعلق تھی یا اُس دور کی پیداوار تھی، جب مسلمان یہاں حکمران تھے۔

اُردو ہندی تنازعہ:

متعصب ہندوؤں نے اُردو کے خلاف محاذ آرائی کی، حالانکہ یہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی۔ لیکن محض اس وجہ سے کہ مسلمانوں کے عہد اقتدار میں اس زبان نے وجود پایا تھا۔ اس زبان کو ختم کر کے بڑے منظّم انداز میں دیوناگری رسم الخط اور ہندی زبان کو رائج کرنے کی کوششیں کی گئیں۔

سرسیّد احمد خان کی زندگی میں جب یہ مسئلہ اٹھایا گیا تھا تو آپ نے اس کا دفاع کیا اپنے دوست شیکسپیئر سے بھی اس کا ذکر کیا۔ فرانس میں بیٹھے ہوئے اُردو زبان کے محقق " گارسان دتاسی " نے بھی ہندوؤں کے اس اقدام کو بُرا محسوس کیا ہندو ذہنیت کا ذکر کرتے ہوئے وہ لکھتا ہے ''ہندو اپنے تعصب کی وجہ سے ہر اُس امر کے مزاحم بن رہے ہیں جو ان کو مسلمانوں کی حکومت کا زمانہ یاد دلائے۔ (۴۲)

کسی بھی قوم کی سرکاری زبان کی تبدیلی ایک اہم مسئلہ ہوا کرتی ہے اور یہ اہم کام حکومت پورے غور و خوض اور مشاورت کے بعد کرتی ہے لیکن رستم ظریفی دیکھئے کہ ایک معمولی کلکٹر نے اتنا بڑا کام کر ڈالا۔ انتھونی میکڈانلڈ نے بحیثیت کلکٹر بہار میں ہندی زبان اور کیتھی رسم الخط رائج کرنے کا حکم نامہ جاری کر دیا۔ پھر وہ صوبہ یوپی کا لیفٹیننٹ گورنر بن کر آیا تو یہاں بھی ۱۸ اپریل ۱۹۰۰ء میں اُس نے ہندی زبان اور دیوناگری رسم الخط کو حکماً رائج کر دیا۔

اس زمانہ میں سرسیّد کا انتقال ہو چکا تھا نواب محسن الملک نے احتجاج کرنا چاہا مگر گورنر نے کالج کی امداد بند کر دینے کی دھمکی دی بیچارہ نواب خاموش ہو کر رہ گیا۔

۱۸۸۲ء میں ہنٹر ایجوکیشن کمیشن قائم ہوا تو ہندوؤں نے باقاعدہ منصوبہ بنا کر ہزاروں کی تعداد میں دستخطوں کا ایک محضر نامہ پیش کیا جس میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ یہاں کے اصل لوگوں کی زبان ہندی ہے اس لیے اس کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔اس مہم کو منظّم کرنے میں آریہ سماج کا بانی سوامی دیانند سراسوتی پیش پیش تھا۔(۴۳)

ہندوؤں کی اس تحریک کے پیچھے مدن موہن مالویہ تھا جو بعد میں متعصب ہندو لیڈر کے طور پر ابھرا اور ہندو مہاسبھا کا صدر بھی بنا۔

گاؤ رکھشا:

چونکہ عیسائی اور مسلمان گائے کا گوشت کھاتے تھے بلکہ مسلمان عید قربان کے موقع پر گائے کی قربانی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے اس سے گائے کے پجاری ہندوؤں کو تکلیف ہوتی تھی۔لہٰذا تلک نے ہندوؤں میں گائے کے تقدس کے جذبے کو خوب ہوا دی۔گاؤ رکھشا (گائے کی حفاظت) کے نام سے سارے ملک میں اُس نے لٹھ برادر انجمنیں قائم کیں۔گاؤ پال ادارے قائم کیے گئے' جہاں گائیں پالی جاتی تھیں اور بزور بالخصوص عید کے موقع پر خونریزی کرتے ہوئے گاؤ کشی کو روکا جانے لگا جس سے ہندوؤں اور مسلمانوں میں فسادات ہونے لگے۔

خود سرسیّد احمد خان نے ایک دفعہ گاؤ کشی پر پابندی کی حمایت کی تھی کہ گوشت کے لیے گائیوں کے ذبح کرنے کے مسئلے پر سمجھوتہ کر لیا جائے۔مگر اب ایک مختلف صورتحال پیدا ہو گئی اگر مسلمان اس قسم کے دباؤ سے جھک جاتے تو وہ دو قوتوں کے دست نگر ہو جاتے ایک برطانوی حکومت اور دوسرے ہندو۔اس لیے مسلمانوں کے مفادات کی نگرانی کے لیے ایک خالص مسلم جماعت کی تنظیم ضروری تھی اس طرح آپ نے ''محمڈن ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا'' (شمالی ہند کی انجمن تحفظ مسلمانان) بنائی۔(۴۴)

مسٹر گاندھی جیسے دانشمند اور محبّ وطن ہندو نے ایک انگریز مسٹر Irvin اِرون کے خط کے جواب میں خط لکھا جو اسٹیٹمین میں شائع ہوا اُس کا اقتباس سیّد حسن ریاض نے شائع کیا ہے۔ملاحظہ ہو: ''غلط یا صحیح گائے کی پوجا ہندو فطرت میں داخل ہے اور مجھ کو اس سے کوئی مفر نظر نہیں آتا کہ عیسائی اور مسلمان ایک طرف ہوں ہندو دوسری طرف اور ان کے درمیان اس مسئلے پر نہایت متعصّبانہ اور خونی جنگ ہو' مگر سوائے اس کے کہ ہندو اہنسا کے اس مذہب کو قبول کریں اور اس پر عمل جس کو میں نے اپنے طور پر اختیار کیا ہے اور زندگی میں میرا وہ حقیر مشن ہے جس کی میں تبلیغ کرتا

ہوں۔ جو حقیقت ہے اس کا سامنا کرنا چاہئیے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس گاؤکشی کو جو یورپینوں کے لیے ہو رہی ہے ہندو بالکل محسوس نہیں کرتے میں جانتا ہوں کہ ان کا غصّہ اس خوف کے نیچے دبا ہوا ہے جو انگریزوں کی حکومت نے ان میں پیدا کر دیا ہے لیکن ہندوستان کے طول وعرض میں ایک ہندو بھی ایسا نہیں جس کو یہ توقع نہ ہو کہ وہ ایک دِن اپنے ملک کو گاؤکشی سے پاک کریگا مگر میں جانتا ہوں کہ ہندو مذہب کے مزاج کے خلاف وہ اس سے بھی دریغ نہ کریگا کہ عیسائیوں اور مسلمانوں کو بزور شمشیر گاؤکشی کے ترک پر مجبور کرے''۔(۴۵)

مسٹر گاندھی کے ان خیالات نے ۱۹۳۵ء میں کانگریسی وزارتوں کے قیام کے بعد عملی نمونہ بھی پیش کر کے دکھا دیا مثلاً تلکوری (صوبہ بہار) میں ایک مسلمان نے اپنے مہمانوں کے لیے گائے کا گوشت ایک قصاب سے خریدا تو ہندوؤں نے اس پر حملہ کر دیا اس پر الزام لگایا کہ اُس نے بچھڑا ذبح کیا ہے۔اس کو اور اُس کے مہمانوں کو زدوکوب کیا ان کی عورتوں کی ان کے سامنے تذلیل کی' مسلمانوں کو باندھ کر ایک سور منگوایا گیا اور اس کے جسم سے ان چہروں کو رگڑا گیا۔ جب مسئلہ عدالت میں گیا تو عدالت نے مصالحت کروانے پر زور دیا اور ہندوؤں کو حکم دیا کہ وہ مسلمانوں کو دو سو روپے معاوضہ ادا کریں۔

مساجد کے سامنے باجا:

مسلمانوں کی مساجد میں عبادت کے اوقات مخصوص تھے' جب کہ ہندوؤں کے مندروں میں کوئی عبادت کے مخصوص اوقات نہ تھے لیکن جان بوجھ کر ہندو مساجد کے قریبی منادِر میں عین وقتِ نماز باجا گاجا بجاتے' تا کہ اُنہیں ستایا جا سکے۔مسلمانوں کے اعتراض کرنے پر انہیں فساد کا بہانا مل جاتا آئے دِن اس طرح بڑے بڑے شہروں میں فسادات ہوتے۔(۴۶)

عسکری تربیت:

ہندو قوم پسند لیڈروں نے قوم پرستی کے جذبات میں ہیجانی کیفیت پیدا کر دی جگہ جگہ پر مسلح تنظیمیں' اکھاڑے' کلب اور جسمانی ورزشیں' لٹھ اور ڈنڈے کا اِستعمال' تلوار اور خنجر چلانے کی مشق کروائی جاتی بعد میں راشٹریہ سیوک سنگھ جیسی انجمنیں ان کاموں کی سرپرستی کرتی ہیں۔(۴۷)

پنڈت مدن موہن مالویہ نے ۱۹۰۱ء میں راولپنڈی اور پشاور ڈویژن کے ہندوؤں سے اپیل کی ''کہ جس ہندو کے دو بیٹے ہیں وہ ایک بیٹے کو سکھ بنا دے تا کہ ہندو سکھ بن کر بزدلی کی فضا سے باہر نکلیں ان کو "بھا پا سکھ" کہتے تھے''۔

''نانک چنداروڑہ'' ہندو اس زمانہ میں سکھ بنا جو آگے چل کر "ماسٹر تاراسنگھ" کے نام سے مشہور ہوا جس نے ۱۹۴۷ء میں پاکستان کی مخالفت کی پنجاب سیکریٹریٹ کے سامنے کرپان لہراتے ہوئے کہا تھا ''راج کریگا خالصہ''۔(۴۸)

یہ تھے وہ مختصر حالات جن میں بیسویں صدی میں برصغیر کے ہندو مسلم تعلقات اور سیاسی غلبے کی ہندو کوششیں جنہیں در پردہ انگریزی کی زیر زمین سازشوں ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ صدیوں سے قائم باہم رواداری کی وہ فضا جسے مسلم حکمرانوں نے فراخ دلی سے پروان چڑھایا تھا اب دم توڑ چکی تھی انگریز سے نجات کے بعد ہندو غلبے اور رام راج کی عملی کوششیں مسلم کشی پر منتج ہو رہی تھیں۔اور حالات جس تیزی کے ساتھ فسادات، خونریزی اور ہلاکتوں کی طرف بڑھ رہے تھے اس کا لازمی الزام یہی ہونا تھا کہ ہندو مسلم ہر دو اقوام کے اکثریتی علاقوں پر مبنی دو الگ ریاستیں قائم ہو جائیں۔لہذا اکشاں کشاں ہندوستان کی تقسیم اور علیحدہ وطن کا خواب بالآخر دو نئی مملکتوں کی صورت میں معرض وجود میں آیا۔

حوالہ جات

1۔ لالہ لاجپت رائے اور غلام حسین پانی پتی، آریہ سماج کی تاریخ' (اُردو ترجمہ کشور سلطان)، مطبوعہ ترقی اردو بورڈ' دہلی ۱۹۷۴ء، ص ۱۸؛ سوامی دیانند اور ان کی تعلیم' اورینٹل پبلک لائبریری' پانی پت' ۱۹۰۲ء' ص ۱۲'

2۔ آریہ سماج کی تاریخ' ص ۲۱

3. R.C. Sharma, Introduction note on Satyarth Parkash, Life sketch of Sawami Dayanand Sarasvati, N.D. P.XXVI.

4. Farquhar, J.N, Modern religious movements in India, New York, 1915, P., 5

5. Ibid, P., 104

6. Daya nand Saraswati his life and ideas, P.,17, I.F.F.T. Jordens, Oxford University Press, Delhi, 1978.

7. Shiv Kumar Gupta, Arya Samaj and the Raj, Gitan pali Publishing Delhi, 1991, P., 13

8. Jordens, J.F.T., Dayanand Saraswati: His life and ideas, Oxford university press Delhi, 1978, P., 127

9. Kenneth, W. Jones, Arya Dharma, University of California Press, London, N.D., P., 36

۱۰۔ لالہ لاجپت رائے ''آریہ سماج کی تاریخ''(ترجمہ کشور سلطان) ترقی اُردو بورڈ' نئی دہلی' ۱۹۷۴ء' ص ۱۰۳'۱۰۲

11. Shiv Kumar Gupta, Arya samaj and the Raj, Gitan Pali Publishesing, Delhi, 1991, P.15

12۔ آریہ سماج کی تاریخ، ص ۵۹'۶۰

13۔ ایضاً ص ۱۸۶

14۔ دیانند سراسوتی 'ستھیارتھ پرکاش' (اردو ترجمہ رادھا کشن مہتہ) مطبوعہ کشن چند کمپنی لاہور' بکرمی ۱۹۵۴' ص ۲

15۔ ایضاً' ص ۶۲۸

16۔ ایضاً' ص ۶۰۹

17۔ ایضاً' ص ۶۲۳

18. Satyarth Prakash (English Translation), Oxford Uniersity Press, Delhi, N.D 477

19۔ دیانند سراسوتی ''ستھیارتھ پرکاش''(مترجم رادھا کشن مہتہ) کشن چند کمپنی' لاہور' ۱۹۵۴ء' ص ۶۱۲

20۔ ایضاً' ص ۶۲۱

21۔ ایضاً' ص ۶۲۹

22۔ ایضاً' ص ۶۳۱

23۔ ایضاً' ص ۶۲۰

24۔ ایضاً' ص ۶۲۱

25۔ خواجہ حسن نظامی' اسلام اور آریہ سماج کی ترازو' ضلع بجنور' روہڑی پریس' دہلی' س ن' ص ۲۷

26. Norman G. Barrier, The Arya Smaj and Congress politics in the Punjab (1894-1908),Gurnal of Asian Studies, May 1966, P., 364

27. Ibid, P. 367

28. Yadva K.C, Arya Samaj and the Freedom Movement, Delhi, 1988 vol:I P. 85

29. Najjar, B.S. History of Punjab, Lahore., N. D vol:II P.11

30. Shri Ram Sharma, Mahatma Hans Raj, New Delhi, 1989, P. 49,50

31. History of the Freedom Movement, P. 445

32. Psrshatam Mehra, A Dictionary of Indian History, Oxford University Press Bombay, 1985, P. 722

33. Dr.A. Haleem, History of the Freedom Movement, P.446

34۔ اشتیاق حسین قریشی، "برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ" (مترجم ہلال احمد زبیری) جامعہ کراچی، س۔ن، ص۳۲۴

35۔ ڈاکٹر اے حلیم نے Cambridge History of India کا حوالہ دیا ہے اور Freedom Movement, P. 448 اور

Glyan Richards, A source Book of Modren Hinduism, P.104.

36. Parshotam Mehra, A dictionary of Indian history, oxford university press, Bombay, 1985, P.723

37. Syed Razi Wasti, Lord Minto and the Indian Nationalist Movement (1905-1910), Oxford, 1964, P.2.

38۔ عزیز الرحمٰن جامی، "مسلمانوں کی ڈیڑھ سو سالہ قربانیوں کا جائزہ" دہلی، س ن، ص۱۰ و "نقش حیات" ج۲، ص۱۷

39۔ پروفیسر پریتم سنگھ، "تحریک کانگریس" آزاد بک ڈپو، م ن، ص۸۹

40۔ ایضاً، ص۸۴

41۔ Jones, W.Kenneth, Arya Dharma, university of california press, London, N.D, P.130

42۔ حالی، الطاف حسین، مولانا، "حیات جاوید"، انجمن ترقی ہند، دہلی، ۱۹۳۹ء، ص۱۹۷

43۔ Glyam Richards, A source book of modren Hinduism, P.50

44۔ "برعظیم پاک وہند کی ملت اسلامیہ"، ص۳۲۵

45۔ حسن ریاض "پاکستان ناگزیر تھا" شعبہ تصنیف تالیف، جامعہ کراچی، کراچی، س۔ن، ص ۷۶، ۷۷

46۔ ایضاً، ص ۱۵۱

47۔ سیّد محمد سلیم، پروفیسر ''تاریخ نظریہ پاکستان'' ادارہ تعلیمی تحقیق، لاہور، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵۶

48۔ قومی ڈائجسٹ ''سکھ نمبر'' اگست ۱۹۸۴، ص ۱۵۶